



تفسیر الفاتحہ

تالیف:

ڈاکٹر فہد بن بادی المرشدی





تفسير الفاتحة



١ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

٢ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

٣ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ٣ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ٤

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ٥ أَهْدِنَا

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ٦ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ

وَلَا الضَّالِّينَ ٧

تفسیر الفاتحہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ سے ہی ہم مدد کے خواستگار ہیں

یہ سورۃ "فاتحہ الکتاب" کے نام سے اس لئے موسوم ہے کیوں کہ اسی سورۃ سے قرآن کا آغاز ہوتا ہے، اسی کی تلاوت سے نمازیں شروع کی جاتی ہیں، اس طرح تحریر اور تلاوت میں اس کے بعد آنے والی سورتوں کے لیے وہ نقطہ آغاز ہے۔

"ام القرآن" سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے علاوہ قرآن کی تمام سورتوں پر مقدم ہے اور تلاوت و کتابت ہر دو اعتبار سے اس کے ما سوا تمام سورتیں اس کے بعد آتی ہیں۔

اسے ام القرآن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب لوگ ہر اس چیز کو جو دیگر چیزوں کو شامل اور مختلف اشیاء پر مقدم ہو اور متعدد امور اس کے تابع ہوں، (کہتے ہیں کہ) وہ ان تمام امور کے لیے امام جامع ہے۔ نبی ﷺ

تفسیر الفاتحہ

نے سورۃ الفاتحہ کی آیتوں کو مثالی اس لیے کہا کہ ہر نفل اور فرض نماز میں ان آیتوں کو دہرایا جاتا ہے (1)۔

بسم اللہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ: وہ سورۃ الفاتحہ کا حصہ ہے یا نہیں؟ اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ سورۃ الفاتحہ کی آیت نہیں ہے (2)۔

بسم اللہ کے معنی یہ ہیں: میں اس تلاوت، یاد عبادت یا دیگر عبادت میں (بِسْمِ اللّٰهِ) (اللہ کے نام کے ساتھ) داخل ہو رہا ہوں، اپنی طاقت و قوت کے بل پر نہیں، بلکہ میں یہ کام اللہ کی مدد سے اور اس بزرگ و برتر کے نام سے تبرک حاصل کرتے ہوئے کر رہا ہوں (3)۔

(1) جامع البیان، للطبری (1/105، 107)۔

(2) دیکھیں: تفسیر سورۃ الفاتحہ، القسم العلمي، مؤسسة الدرر السنیة (19)۔

(3) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (37)۔

قرآن کی تلاوت کا آغاز کرتے ہوئے (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) پڑھنے کا مطلب یہ ہے: اللہ کے نام سے آغاز کرتے ہوئے میں پڑھتا ہوں، یا اپنی تلاوت کا آغاز اللہ کے نام سے کرتا ہوں، اس کا معنی یہ ہوا کہ: میں اللہ کے نام اور اس کے ذکر کے ساتھ پڑھ رہا ہوں اور اللہ کے نام اور اس کے خوبصورت اسمائے گرامی اور بلند و بالا صفات کے ساتھ تلاوت کا آغاز کر رہا ہوں (4)۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ: (بِسْمِ اللّٰهِ) کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء سے میں آغاز کر رہا ہوں، کیوں کہ لفظ (اسم) واحد اور مضاف ہے، اس لیے تمام اسمائے حسنیٰ کو شامل ہے (5)۔

(4) جامع البیان، للطبری (1/115، 116).

(5) تیسیر الکریم الرحمن، للسعدی (27).

اللہ تعالیٰ کے فرمان: (الْحَمْدُ لِلَّهِ) کا معنی

کلام عرب میں الحمد کے معنی ہوتے ہیں: کامل حمد و ثنا (6)، لیکن حمد اور ثنا میں فرق ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ عزیز و برتر حدیث قدسی میں فرماتا ہے: میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی ہے اور میرے بندے نے جو مانگا، اس کا ہے۔ جب بندہ (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) ”سب تعریف اللہ ہی کے لیے جو جہانوں کا رب ہے،“ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور جب وہ کہتا ہے: (الرَّحْمَنَ الرَّحِيمِ) ”سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہمیشہ مہربانی کرنے والا،“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے

(6) الجامع لأحكام القرآن، للقرطبي (1/205).

میری ثنابیان کی۔ پھر جب وہ کہتا ہے: (مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ) ”جزا کے دن کا مالک،، تو (اللہ) فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ پہلے فرمایا: (میرے بندے نے میری تعریف کی)، پھر فرمایا: (میرے بندے نے میری ثنابیان کی)۔ چنانچہ ثنا کا مطلب ہے: دوبارہ حمد بیان کرنا، حمد ایک جنس ہے اور ثنا سے دہرانے کا نام ہے، جبکہ: تمجید کہتے ہیں: ان اوصاف کا ذکر کرنا جو بذات خود عظیم و برتر ہوں، یہ دونوں (ثنا اور تمجید) کثرت سے حمد کرنے کے معنی میں ہیں۔ البتہ ثنا (حمد کی) اس کثرت کو کہتے ہیں جس سے مراد کمیت ہوتی ہے، اور تمجید (حمد کی) اس کثرت کو کہتے ہیں جس سے مراد کیفیت ہوتی ہے (7)۔ بنا بریں حمد کے معنی ہیں: محبت اور تعظیم کے ساتھ زبان سے اللہ کی ثنابیان کرنا، حمد اس وقت تک حمد نہیں کہلا سکتی جب تک کہ اس میں ثنا کے ساتھ محبت

(7) تفسیر الفاتحہ، لا بن رجب (70، 92)۔

و تعظیم شامل نہ ہوں، ورنہ لفظ ثنا، حمد سے زیادہ خاص معنی کا حامل ہے، اسی لیے سابقہ حدیث میں ثنا کو حمد پر عطف کیا گیا ہے، جو کہ خاص کو عام پر عطف کرنے کے قبیل سے ہے، اس طرح حمد کے اندر ثنا کا معنی اور اس کے علاوہ اضافی معنی بھی پایا جاتا ہے۔ محبت اور تعظیم کے ساتھ اللہ کے خوبصورت ناموں، بلند و بالا صفات اور ان افعال کے ذریعہ اللہ کی ثنا بیان کرنا جو محض فضل و احسان، اور عدل و حکمت پر مبنی ہیں، یہ سب محامد کی وہ قسمیں ہیں جن کے ذریعہ اللہ عزیز و برتر کی حمد کی جاتی ہے (8)۔

مفسرین اس موقع پر حمد اور شکر میں فرق بیان کرتے ہیں، کچھ مفسرین کا کہنا ہے کہ: حمد دراصل شکر ہی کے معنی میں ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ: حمد کے معنی ہیں: نعمتوں پر شکر بجالانا، اس طرح حمد اور شکر ہم معنی

(8) تفسیر الفاتحۃ، صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ.

الفاظ ہیں، کیوں کہ عربوں کی زبان سے واقفیت رہنے والے تمام لوگ حمد اور شکر کو ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال کرتے ہیں، اس طور پر (الْحَمْدُ لِلَّهِ) کے معنی ہیں: ہر طرح کا شکر خالص اللہ کے لیے ہے، اس کے سوا جتنے معبودوں کی پرستش کی جاتی ہے، ان کے لیے نہیں اور نہ اللہ کے پیدا کردہ مخلوقات کے لیے، اسی معنی کو ابن جریر نے راجح قرار دیا ہے (9)۔

جبکہ کچھ مفسرین دونوں میں فرق کرتے ہیں، اس سلسلے میں سب سے عمدہ قول یہ ہے کہ: حمد کے معنی ہیں زبان سے مدوح کی صفات بیان کر کے اس کی تعریف کی جائے، اور شکر یہ ہے کہ منعم و محسن کی تعظیم کی جائے۔ چنانچہ شکر تعظیم کا نام ہے جس کا سبب نعمت ہوتی ہے، اور اسے دل، زبان اور اعضاء و جوارح سے ادا کیا جاتا ہے۔ جبکہ حمد دل اور زبان

(9) جامع البیان، للطبری (1/135)۔

سے ادا کی جاتی ہے، کیوں کہ اس سے مراد ثنایان کرنا ہے (10)۔ معلوم ہوا کہ حمد سے مراد: ممدوح کی تعریف بیان کرنا ہے اور اس میں شکر بھی شامل ہوتا ہے، البتہ ان دونوں میں فرق ہے (11)، یہ تفریق بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے متاخرین علماء کے نزدیک یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ حمد کا مطلب ہے: ممدوح کی لازم و متعدی صفات کے ذریعہ زبان سے اس کی ثنایان کی جائے۔ جب کہ شکر صرف متعدی صفات پر ہی کیا جاتا ہے، اور یہ دل، زبان اور اعضاء و جوارح سے ادا کیا جاتا ہے، لیکن اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم اور خصوص کا تعلق ہے، چنانچہ حمد اور شکر جس وجہ سے ادا کیے جاتے ہیں، اس کے اعتبار سے حمد، شکر سے زیادہ عام ہے، کیوں کہ حمد لازم اور متعدی ہر

(10) تفسیر القرآن، عبدالرحمن بن ناصر البراء.

(11) زاد المسیر، لابن الجوزی (33).

قسم کی صفات پر کی جاتی ہے، جبکہ شکر صرف متعدی صفات پر کیا جاتا ہے، اور حمد و شکر جس کے ذریعہ سے ادا کیے جاتے ہیں، اس کے اعتبار سے شکر زیادہ عام ہے، کیوں کہ شکر قول و عمل اور نیت کے ذریعہ ادا کیا جاتا ہے، جبکہ حمد صرف قول سے کی جاتی ہے (12)۔ اس طرح ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ: حمد کے اندر ممدوح کی تعریف و ثنا شامل ہوتی ہے، بایں طور کہ اس کے محاسن اور خوبیوں کو ذکر کیا جائے، خواہ وہ ثنا خواں کا محسن ہو یا نہ ہو، جبکہ شکر صرف محسن کا ہی ادا کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے حمد، شکر سے زیادہ عام ہے، کیوں کہ حمد محاسن اور احسان دونوں پر کی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ کی حمد و ثنابیان کی جاتی ہے اس کے اسمائے حسنیٰ پر بھی اور ان چیزوں (نعمتوں) پر بھی جو اس نے دنیا

(12) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (128/1)۔

وآخرت میں پیدا کیا ہے، اسی لیے اللہ نے فرمایا: (الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ

يَتَّخِذْ وَلَدًا) [الإسراء: 111]

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے۔

نیز فرمایا: (الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

([الأنعام: 1])

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔

جبکہ شکر صرف انعام و اکرام پر بھی ادا کیا جاتا ہے، اس اعتبار سے یہ حمد سے زیادہ خاص ہے، لیکن شکر دل، ہاتھ اور زبان ہر ایک سے ادا کیا

جاتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا)

[سبأ: 13]

ترجمہ: اے آل داود! اس کے شکر یہ میں نیک عمل کرو۔

جبکہ حمد صرف دل اور زبان سے کی جاتی ہے، حمد کے معنی ہیں: زبان سے ثنائیان کرنا۔ زبان کی قید نے اس فعل کو (حمد کے دائرہ سے) باہر کر دیا جسے زبان حال کہا جاتا ہے۔ جو کہ شکر کی ایک قسم ہے۔ اس طرح شکر اپنی اقسام کے اعتبار زیادہ عام ہے اور حمد اپنے اسباب کے اعتبار سے زیادہ عام (13)۔ چنانچہ حمد کہتے ہیں: جو صفات ممدوح کے اندر ہیں، ان پر اس کی تعریف کرنا، اور شکر کہتے ہیں: جو احسان و انعام اس سے صادر ہو، اس پر اس کی تعریف کرنا۔ اس لیے حمد بطور تعریف و ثنا کے ابتدائے امر میں بھی کی جاسکتی ہے، جبکہ شکر صرف نعمت کے مقابلہ میں ہی ادا کیا جاتا ہے (14)۔

(13) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (38)؛ و تفسیر الفاتحہ، لا بن رجب (70)۔

(14) زاد المسیر، لابن الجوزی (33)۔

تحقیق یہ ہے کہ: حمد کا مطلب ہے مدوح کی خوبصورت صفات سے راضی ہونا اور زبان سے اس کی خبر دینا، اس طرح وہ: محبت اور رضا مندی کے ساتھ مدوح کے محاسن کی خبر دینا ہے (15)۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کے محاسن کی خبر دے، لیکن ان محاسن سے محبت نہ کرے تو وہ حامد اور ثنا خواں نہیں کہلائے گا، اور اگر ان محاسن سے محبت کرے اور اس کی خبر نہ دے تو بھی وہ حامد اور ثنا خواں نہیں کہلائے گا (16)۔ حمد یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کے ساتھ مدوح کو کمال سے متصف کیا جائے، کیوں کہ بغیر محبت اور تعظیم کے مدوح کو کمال سے متصف کرنے کا نام حمد نہیں ہے بلکہ اس کا نام مدح ہے (17)۔ معلوم ہوا کہ حمد کا مطلب ہے

(15) تفسیر الفاتحہ، لا بن رجب (71)۔

(16) مجموع الفتاویٰ ۸ / ۳۷۸، (259/6)۔

(17) تفسیر القرآن الکریم (الفاتحہ-البقرہ)، لابن عثیمین (9/1)۔

کہ: کامل صفات اور ان افعال کے ذریعہ اللہ کی تعریف و ثنائیان کی جائے جن کا تعلق اس کے فضل و احسان اور عدل و انصاف سے ہے اور جو حکمت تامہ پر مشتمل ہیں، ثناخواں کی حمد خوانی اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے جب اس کی حمد میں اپنے رب کی محبت اور اس کے تئیں عاجزی و انکساری کا جذبہ شامل ہو، کیوں کہ محبت اور عاجزی سے عاری تعریف و ثنا کو کامل حمد نہیں کہا جاسکتا (18)۔

الحمد میں جو الف لام ہے وہ حمد کی تمام اجناس و اقسام کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنے کے معنی میں ہے (19)، چنانچہ الحمد پر الف لام داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ: ہر طرح کی حمد و ثنا اور کامل شکر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اگر الف لام حذف کر دیے جائیں تو اس کا معنی صرف یہ رہ جائے

(18) تیسیر الکریم الرحمن، للسعدی (27)۔

(19) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (1/131)۔

گا کہ تمام قسم کی حمد و ثنا کے بجائے صرف اس قائل کی حمد و ثنا اللہ کے لیے ہے (20)۔ اسے معرفہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حمد کی تمام قسمیں شامل ہیں، وہ تمام قسم کی حمد و ثنا پاک پروردگار کے ساتھ خاص ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے علاوہ کسی اور کی حمد و ثنا کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ منعم و محسن تو اللہ عزیز و برتر ہی ہے، یا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی حمد و ثنا ہی کامل و شامل ہے، اس معنی میں حصر ادعائی (مجازی) ہوگا (21)۔

اللہ کے فرمان: (الْحَمْدُ لِلَّهِ) کا معنی ہے: حمد و ثنا اللہ کے لیے ثابت اور قائم ہے (22)، اس حمد و ثنا کے ذریعہ اللہ نے اپنی ذات کی تعریف

(20) جامع البیان، للطبری (138/1).

(21) فتح البیان، للقنوجی (42).

(22) زاد المسیر، لابن الجوزی (33).

تفسیر الفاتحہ

کی ہے، اور اسی ضمن میں بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی حمد و ثنا کریں، گویا کہ اللہ نے فرمایا: تم سب کہو: (الْحَمْدُ لِلَّهِ)، معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ نے اپنی ذات کی کما حقہ حمد و ثنایان کی، پھر اپنے بندوں کو اس کی تعلیم دی، اور ان کی آزمائش کے طور پر ان پر اس کی تلاوت کو فرض کر دیا، اللہ نے ان سے کہا: کہو: (الْحَمْدُ لِلَّهِ) (23)، اللہ کے یہ الفاظ خبر دینے والے الفاظ ہیں، لیکن وہ حکم کے معنی میں ہیں، پوشیدہ عبارت یوں ہے: کہو: الحمد للہ (تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں) (24)۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنی حمد و ثنا کر رہا ہے اور ہمیں بھی یہ تعلیم دے رہا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کی حمد و ثنایان کریں، چنانچہ اللہ کا یہ فرمان جس میں اللہ اپنی ذات کی حمد و ثنا کر رہا ہے، اگر مسلمان اس آیت کی

(23) جامع البیان، للطبری (1/139)۔

(24) زاد المسیر، لابن الجوزی (33)۔

تلاوت کرے تو یہ اس کی جانب سے اس کے پروردگار کی حمد و ثنا ہوگی (25)۔

محققین کے نزدیک لفظ (اللہ) اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم (سب سے بڑا نام) ہے، کیوں کہ تمام صفات سے اس اسم کو متصف کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو ہزار تین سو ساٹھ (۲۳۶۰) مقامات پر اس نام کو ذکر کر یا ہے (26)، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم (اسم) ہے، جو کہ حقیقی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے گرامی میں سب سے خاص اسم ہے، اللہ پاک کے سوا کسی کو اس سے موسوم نہیں کیا جاسکتا۔

(25) تفسیر القرآن، عبدالرحمن بن ناصر البراك.

(26) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (1/122)؛ وفتح البیان، للقنوجی (41).

رہی بات اللہ تعالیٰ کے نام (اللہ) کے معنی کی تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے: وہ ذات جس کی عبادت ہر ایک شی اور ہر ایک مخلوق کرتی ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی: (وَيَذَرَكْ وَاِلَاهَتَكَ) ، اور فرمایا: (اس آیت میں اِلَاهَتَكَ کے معنی ہیں) "عبادتک"۔ نیز فرمایا: "فرعون کی پرستش کی جاتی تھی لیکن وہ خود عبادت نہیں کرتا تھا"۔ چنانچہ ابن عباس کی تفسیر کے مطابق الإِلاهۃ مصدر ہے، جیسے کوئی کہے: أَلَهَ اللهُ فُلَانًا إِلهَةً، اس کا معنی وہی ہے جو اس جملہ کا ہے: عَبَدَ اللهُ فُلَانًا عِبَادَةً. (یعنی: فلاں نے اللہ کی عبادت کی)۔ ابن عباس کے اس قول سے یہ واضح ہو گیا کہ: "أَلَهَ" کے معنی ہیں: اس نے عبادت کی۔ اور "الإِلاهۃ" اسی فعل کا مصدر ہے (27) ، چنانچہ (اللہ) کے معنی ہیں: وہ معبود جو ہر قسم کی عبادت

(27) جامع البیان، للطبری (1/122)۔

کاتن تنہا مستحق ہے، کیوں کہ وہ الوہیت کی تمام صفات سے متصف ہے (28)۔

جب آپ یہ جان چکے کہ (اللہ) کا معنی الالہ ہے اور الالہ کا معنی معبود کے ہے، اس کے بعد آپ اللہ کو پکاریں، یا اس کے نام پر جانور ذبح کریں، یا اس کے لیے نذر مانیں، تو (آپ یہ ساری عبادتیں یہ جانتے ہوئے انجام دیں گے کہ) وہی اللہ ہے، اور اگر آپ کسی مخلوق کو پکاریں، یا اس کے نام پر ذبح کریں، یا اس کے لیے نذر مانیں تو گویا آپ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ اللہ ہے (29)۔

(28) تیسیر الکریم الرحمن، للسعدی (27)۔

(29) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (42)۔

اللہ کے فرمان: (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) کا معنی و مفہوم

عربوں کی زبان میں رب کے مختلف معانی ہیں: وہ آقا جس کی اطاعت کی جاتی ہو، اسے عربوں میں رب کہا جاتا ہے۔ چیزوں کو درست کرنے والا بھی رب کہلاتا ہے، کسی چیز کا مالک بھی اس کا رب کہلاتا ہے۔ ہمارا جلیل الشان پروردگار: وہ آقا ہے جس کے مثل کوئی نہیں، اس کی سرداری میں کوئی اس کا ہمسر نہیں، اپنی مخلوقات کے معاملات کو درست کرنے والا ہے، بایں طور کہ ان پر اپنے انعامات کرتا ہے، وہ مالک ہے جو پیدا کرتا اور حکم دیتا ہے (30)۔ رب سے مراد وہ ذات ہے: جو مالک ہو اور تصرف پر قادر ہو، لغت میں اس کا اطلاق آقا و سردار اور اصلاح کرنے

(30) جامع البیان، للطبری (1/143)۔

والے مصلح پر بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ تمام معانی درست ہیں۔ اضافت کے بغیر رب کا استعمال اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں، لیکن اضافت کے ساتھ اس کا استعمال جائز ہے، مثلاً آپ کہیں: رَبُّ الدار (گھر کا مالک)، رَبُّ كَذَا (فلاں چیز کا مالک)، البتہ الرَّبُّ کا اطلاق اللہ عزیز و برتر کے لیے ہی کیا جاسکتا ہے، ایک قول کے مطابق: یہ اسم اعظم ہے (31)، چنانچہ رب وہ ہے: جس میں تین صفتیں موجود ہوں: تخلیق، ملکیت اور تدبیر، معلوم ہوا کہ رب وہ ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے (32)۔

(31) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (1/131)۔

(32) تفسیر القرآن الکریم (الفاتحہ- البقرہ)، لابن عثیمین (1/9)۔

اللہ کے فرمان: (اَلْعَلَمِيْنَ) کی تفسیر یہ ہے کہ: (العالمون) عالم کی جمع ہے، اور عالم ایسی جمع ہے جس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا، یہ مختلف قسم کی اقوام و ملل کا نام ہے (33) اور آسمان وزمین میں رہنے والی نوع بنوع کی مخلوقات بھی اس نام میں شامل ہیں۔ چنانچہ اللہ عزیز و برتر کے سوا تمام موجودات اس سے مراد ہیں۔ اللہ بزرگ و برتر کے علاوہ جتنی بھی موجودات ہیں، سب اس نام کے تحت آتی ہیں، لہذا اللہ کے سوا جتنے بھی فرشتے، انبیاء، انسان اور جنات وغیرہ ہیں، وہ سب (اپنے رب کے) ماتحت اور اس کے قہر و غلبہ سے مغلوب ہیں، (وہ پالنے والے) ان کے اندر تصرف کرتا ہے (34)۔ یہ قول تمام اقوال سے زیادہ صحیح ہے کیوں کہ

(33) جامع البيان، للطبري (1/144).

(34) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (41).

اس میں تمام مخلوقات و موجودات شامل ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

(قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا) [الشعراء: 23] (35).

ترجمہ: فرعون نے کہا رب العالمین کیا (چیز) ہے؟ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ: (العالم) کا اطلاق مفرد کے طور پر نہیں بلکہ کسی جنس کی طرف اضافت کے ساتھ ہی ہوتا ہے، جو اسے خاص کر دیتا ہے،

(35) الجامع لأحكام القرآن، للقرطبي (1/214).

تفسیر الفاتحہ

جیسے کہا جاتا ہے: عالم الانس، عالم الحيوان اور عالم النبات، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے مجموعی وجود کے لیے یہ لفظ بطور اسم مستعمل نہیں ہے، یہی لغوی تحقیق ہے، کیوں کہ عربوں کے کلام میں عالم کا اطلاق اللہ کے سوا کسی اور کے مجموعی وجود کے لیے نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا استعمال علمائے منطق نے اپنے اس قول میں کیا ہے: (العالم حادث) جو کہ ایک اصطلاح ہے (36)۔

اللہ کے فرمان: (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) کے معنی یہ ہیں کہ: جلال و کمال کی صفات پر مشتمل حمد و ثنا کی جتنی بھی قسمیں ہو سکتی ہیں، وہ سب صرف ایک اللہ کے لیے زیبا ہیں، کسی اور کے لیے نہیں، کیوں کہ

(36) التحرير والتنوير، لابن عاشور (168/1).

وہی تمام چیزوں کا پالنہار، خالق اور مدبر ہے (37)۔ معلوم ہوا کہ (نَبِّ

الْعَلَمِيَّتِ) اسم الجلالة (اللہ) کی صفت ہے۔ بایں طور کہ اللہ نے جب اپنی بلند و برتر ذات کے اسم گرامی کی طرف حمد و ثنا منسوب کی جس کا مقصد (حمد و ثنا کے) استحقاق ذاتی سے متنبہ کرنا ہے، تو اس کے بعد الرَّبِّ کے ذریعہ اپنی صفت بیان کی تاکہ حمد کا تعلق اس سے بھی قائم ہو جائے، اور یہ واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی حمد و ثنا کا استحقاق رکھتی ہے جس طرح اس کی ذات اس کا استحقاق رکھتی ہے، اس مقصد کے لیے چار اوصاف کا ذکر فرمایا: رب العالمین، الرحمن، الرحيم، مالک یوم الدین، تاکہ صفت کا استحقاق ظاہر ہو سکے، کیوں کہ صفات پر

(37) المختصر في تفسير القرآن الكريم (1).

تفسیر الفاتحہ

دلالت کرنے والے ان اسمائے گرامی کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے اصلی معانی پر توجہ دی جائے (38)۔



(38) التحرير والتنوير، لابن عاشور (1/166).

اللہ تعالیٰ کے فرمان: (الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ) کا معنی و مفہوم

(الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ): یہ اللہ تعالیٰ کے دو اسمائے گرامی ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے شایان شان صفت رحمت کے اثبات کو شامل ہیں، یہ دونوں اسماء اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کشادہ اور عظیم رحمت والا ہے جس کی رحمت ہر ایک چیز کو محیط اور ہر جاندار کو شامل ہے، اللہ نے اپنے انبیاء و رسل کی پیروی کرنے والے متقی بندوں کے لیے رحمت کامل لکھ دی ہے، ان کے لیے مطلق اور کامل رحمت ہے، لہذا (الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ) کے معنی ہیں: اس عظیم رحمت کا مالک جس سے وہ متصف ہے اور جس کا تعلق رحم کیے جانے والے سے ہے۔ تمام تر نعمتیں اللہ کی رحمت کے آثار ہیں (39)، یہ دونوں اسماء رحمت سے مشتق

(39) تیسیر الکریم الرحمن، للسعدی (27).

ہیں، لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ بلیغ معانی کا حامل ہے،
 العلام اور العظیم کی طرح (40)، چنانچہ رحمن کے اندر، رحیم کے مقابلہ
 میں زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے، کیوں کہ رحمن کے معنی ہیں: ایسی رحمت والا
 جس کی رحمت بے نظیر ہے، عربوں کے کلام میں (فعلان) کا وزن مبالغہ
 کے لیے استعمال ہوتا ہے، چنانچہ وہ لبالب بھری ہوئی چیز کو: ملائین کہتے
 ہیں اور انتہائی شکم سیر شخص کو: شبعان کہتے ہیں (41)، یہ بھی مقرر بات
 ہے کہ وزن میں (حروف) کی زیادتی معنی میں اضافہ پر دلالت کرتی
 ہے (42)۔ معلوم ہوا کہ رحمن، رحمت کی صفت مبالغہ ہے، جس کا معنی
 ہے کہ وہ انتہائی درجے کا مہربان ہے، جیسے سکران اور غضبان انتہائی

(40) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (37)۔

(41) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (124/1)۔

(42) فتح القدير، للشوكاني (15)۔

درجے کے (خمار اور غصہ) پر دلالت کرتے ہیں۔ رحمن ایک ایسی صفت ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے اور انسان پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا، وہ فعل کے وزن سے زیادہ بلیغ ہے، اور فعل کا وزن فاعل کے وزن سے زیادہ بلیغ ہے، کیوں کہ رحم اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے رحم کیا، خواہ ایک دفعہ ہی کیوں نہ کیا ہو، جبکہ رحیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جس سے بکثرت صفت رحمت کا صدور ہوتا ہو اور رحمن منتہائے رحمت کے لیے استعمال ہوتا ہے (43)۔

ان دونوں اسماء میں تفریق کی بابت مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: رحمن: ایک ایسا اسم ہے جو رحمت کی تمام قسموں کو شامل ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، جبکہ رحیم کا تعلق مومنوں سے

(43) المحرر الوجيز، لابن عطية (38)۔

ہے (44)۔ اللہ کا اسم گرامی الرحمن عمومی رحمت پر دلالت کرتا ہے، جبکہ اس کا اسم گرامی الرحیم خصوصی رحمت پر دلالت کرتا ہے (45)۔ معلوم ہوا کہ (الرَّحْمٰنِ) کے معنی ہیں: ایسی عمومی رحمت کا مالک جس کی رحمت تمام مخلوقات کی روزی اور مفادات کو شامل اور مومن و کافر سب کے لیے عام ہے۔ جبکہ (الرَّحِیْمِ) مومنوں کے لیے خاص ہے (46)۔

دوسرا قول: (الرَّحْمٰنِ) سے مراد وہ ذات ہے جس کی رحمت دنیا و آخرت دونوں جہان میں عام ہے، اور (الرَّحْمٰنِ) سے مراد وہ ذات ہے جس کی

(44) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (1/125)۔

(45) تفسیر القرآن، عبدالرحمن بن ناصر البراک۔

(46) زاد المسیر، لابن الجوزی (32)۔

رحمتِ آخرت میں مومنوں کے ساتھ خاص ہوگی (47)۔ چنانچہ رحمن وہ ہے جس کی رحمت دنیا میں تمام مخلوقات کے لیے عام ہے اور آخرت میں مومنوں کو حاصل ہوگی، اور الرحیم وہ ہے جس کی رحمت قیامت کے دن مومنوں کے لیے حاصل ہوگی، اکثر علماء اسی معنی کے قائل ہیں (48)۔ معلوم ہوا کہ رحمن کے اندر زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے کیوں کہ وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی تمام مخلوقات کے لیے عام ہے، اور الرحیم مومنوں کے ساتھ خاص ہے، لیکن دعائے ماثور میں آیا ہے: (رحمن الدنيا والآخرة ورحيمهما) (49)۔ اگر یہ اعتراض آئے کہ: آپ نے جو تفصیل بتائی ہے اس میں اور اس ماثور دعائے ماثور میں جو وارد ہوا ہے، اس میں

(47) تفسیر الفاتحہ، لا بن رجب (76)۔

(48) أضواء البيان، للشنقيطي (48/1)۔

(49) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (126/1)۔

تطبیق کیسے ممکن ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ کہ الرحیم مومنوں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، لیکن یہ صرف آخرت میں ہی ان کے لیے خاص نہیں ہے، بلکہ ان کو دنیا میں بھی یہ رحمت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ رحیمہما کا معنی یہ ہوا کہ: دنیا و آخرت ہر جگہ اس کی رحمت مومنوں کے ساتھ خاص ہے (50)۔

تیسرا قول: الرحمن وہ ہے جس کے اندر رحمت قائم ہے، اور الرحیم وہ ہے جو دوسرے کو رحمت سے نوازتا ہے (51)، چنانچہ بسم اللہ اور سورۃ

الفاتحہ میں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان (هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ) [البقرة: 163] میں الرحمن کا الرحیم کے ساتھ یکجا استعمال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: الرحمن اس رحمت پر دلالت کرتا ہے جو اللہ کی صفت

(50) أضواء البيان، للشنقيطي (48/1).

(51) تفسیر الفاتحہ، لا بن رجب (86).

ذاتی ہے اور اس کی پاک ذات میں قائم ہے، اور الرحیم اس رحمت پر دلالت کرتا ہے جو اللہ عزیز و برتر کی صفت فعلی ہے اور جو (مرحوم) رحم کیے جانے والے سے متعلق ہے، چنانچہ وہ بزرگ و برتر (اللہ) رحم کرنے والا اور اپنی مشیت سے اپنے (منتخب) بندوں کو رحمت سے سرفراز کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ پہلا اسم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رحمت اللہ کی صفت ہے اور دوسرا اسم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے، اگر آپ اسے اور بہتر انداز میں سمجھنا چاہتے ہیں تو اللہ کے اس فرمان پر غور کریں: (وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ

رَحِيمًا) [الأحزاب: 43]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔

نیز اس فرمان پر بھی غور کریں: (إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ

رَحِيمٌ) [التوبة: 117]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی مشفق و مہربان ہے۔
 کہیں بھی رحمن بھم کی تعبیر استعمال نہیں ہوئی ہے۔ جس سے یہ معلوم
 ہوتا ہے کہ الرحمن سے مراد وہ ذات ہے جو رحمت سے متصف ہے اور
 رحیم سے مراد وہ ذات ہے جو اپنی رحمت نچھاور کرتی ہے (52)۔ چنانچہ
 ان دونوں اسماء میں تفریق کی بابت سب سے عمدہ اور درست ترین قول
 یہ ہے کہ: الرحمن رحمت کی ذاتی صفت کو شامل ہے، اور الرحیم رحمت
 کی فعلی صفت کو شامل ہے، اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ: رحمن
 بالمؤمنین (یعنی: رحمن کی رحمت مومنوں کے ساتھ خاص ہے)، بلکہ وہ
 رحمن الدنیا والآخرۃ (رحمن کی رحمت دنیا و آخرت میں تمام مخلوقات کو
 شامل ہے) (53)، بنا بریں (الرَّحْمٰنِ) وہ ہے: جو وسیع و کشادہ رحمت کا

(52) بدائع الفوائد، لابن القیم (24/1)، ومدارج السالکین (75/1)۔

(53) تفسیر القرآن، عبدالرحمن بن ناصر البراک۔

مالک ہے، اسی لیے یہ "فَعْلَان" کے وزن پر آیا ہے، جو کشادگی پر دلالت کرتا ہے، اور (الرَّحِيمِ) وہ ہے: جو حاصل ہونے والی رحمت کا مالک ہے، یعنی وہ: اپنی مشیت سے (منتخب) بندوں کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے، اسی لیے یہ "فَعِيل" کے وزن پر آیا ہے جو فعل کے واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے، لہذا ایک رحمت اس کی صفت ہے جس پر (الرَّحْمٰنِ) دلالت کرتا ہے، اور ایک رحمت اس کا فعل ہے، یعنی مرحوم تک رحمت پہنچانا، اس معنی پر (الرَّحِيمِ) دلالت کرتا ہے (54)۔ معلوم ہوا کہ (الرَّحْمٰنِ) وہ ہے جو اپنی ذات میں الرحمن (رحمت سے متصف) ہے اور (الرَّحِيمِ) وہ

(54) تفسیر القرآن الکریم (الفاتحہ)، لابن عثیمین (5/1)۔

ہے جو اپنی رحمت کے ذریعہ اپنی مشیت کے مطابق اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے، جن میں اس کے مومن بندے بھی شامل ہیں (55)۔

(الرَّحْمٰنِ) اور (الرَّحِيْمِ) کے مابین فرق بیان کرنے سے متعلق جو اقوال وارد ہوئے ہیں ان کی توجیہ ابن جریر نے یہ بیان کی ہے کہ وہ تمام اقوال باہم مختلف ہونے کے باوجود درست ہیں، ساتھ ہی آپ نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت ہر دو جگہ اپنی تمام مخلوقات کے تئیں رحمن (مہربان) ہے، اور ساتھ ہی وہ دنیا و آخرت میں رحیم (مہربان) بھی ہے۔ لیکن یہ رحمت اس کے مومن بندوں کے ساتھ خاص ہے (56)۔ چنانچہ الرحمن اور الرحیم دونوں ہی اسم رحمت سے مشتق ہیں، البتہ اللہ کو الرحمن سے موسوم کرنے کا جو معنی ہے وہ الرحیم

(55) المختصر في تفسير القرآن الكريم (1).

(56) موسوعة التفسير بالمأثور (21/2).

سے موسوم کرنے میں نہیں ہے، وہ یہ کہ: الرحمن سے موسوم کرنے کا مطلب ہے کہ وہ تمام مخلوقات کے تئیں عمومی رحمت سے متصف ہے، اور الرحیم سے متصف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بعض مخلوقات کے تئیں خصوصی رحمت سے متصف ہے، یا تو تمام حالات میں، یا بعض حالات میں، ہمارا عظیم الشان پروردگار دنیا و آخرت میں تمام مخلوقات کے تئیں رحمن ہے (مہربان) اور دنیا و آخرت میں مومنوں کے تئیں رحیم (مہربان) ہے۔ اللہ نے مومنوں کو دنیا و آخرت میں خصوصی رحمت سے سرفراز کیا ہے، ساتھ ہی انہیں اور ان کے ساتھ کافروں کو بھی دنیا میں عمومی رحمت سے نوازا بایں طور کہ ان سب پر احسان کیا، کشادہ رزق عطا کیا، بادل کو بارش کے لیے مسخر کر دیا، زمین سے پودے اگائے، جسمانی اور دماغی صحت سے نوازا اور ان بے شمار نعمتوں سے سرفراز کیا جن سے مومن و کافر سب لطف اندوز ہو رہے ہیں، اللہ کی یہ

وہ عمومی رحمت ہے جو دنیا میں تمام مخلوقات کو حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اس رحمت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان سب کے تئیں رحمن (مہربان) ہے، رہی بات آخرت کی تو اس کی جو رحمت تمام مخلوقات کو شامل ہے، ان کے لیے (آخرت میں بھی) وہ رحمن (مہربان) ہوگا: بایں طور کہ اللہ جلّ شانہ اپنے عدل اور فیصلہ میں ان کے درمیان برابری کرے گا، ان میں سے کسی پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کرے گا، اگر نیکی ہوگی تو اس (کا اجر و ثواب) بڑھا چڑھا کر دے گا اور ہر نفس کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ عنایت کرے گا، آخرت میں تمام مخلوقات کے تئیں اللہ کی عمومی رحمت کا مطلب یہی ہے کہ وہ ان پر اس رحمت کے ذریعہ مہربانی کرے گا جس کے ذریعہ دنیا میں ان پر (رحمن) مہربان تھا، رہی بات مومنوں کے تئیں دنیا میں اس کی خصوصی رحمت کی تو اس سے مراد وہ رحمت

ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا میں مومنوں کے تئیں رحیم (مہربان) تھا، جیسا کہ اللہ جلّ شانہ کا فرمان ہے: **(وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا)**

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔

اللہ جلّ شانہ نے اپنے مومن بندوں کو دنیا میں خصوصی رحمت سے سرفراز کیا، بایں معنی کہ اپنے لطف و مہربانی سے انہیں اپنی اطاعت کی توفیق دی، اپنی ذات پر اور اپنے رسولوں پر ایمان لانے کی توفیق دی، اپنے حکم کو بجالانے اور اپنی نافرمانیوں سے بچنے کی توفیق دی، انہیں اس خصوصی رحمت (توفیق) سے نوازا، برخلاف کافروں کے جنہیں اللہ نے رسوا کیا، رہی بات آخرت میں مومنوں کے تئیں اللہ کی خصوصی رحمت کی تو (اس سے مراد یہ ہے کہ) وہ کافروں کے بجائے خاص ان مومنوں پر رحم فرمائے گا، بایں طور کہ انہیں ان نعمتوں اور کرامتوں سے

نوازے گا جو اللہ نے صرف ان کے لیے تیار کیا ہے اور جن کی ہم تمنا
بھی نہیں کر سکتے (57)۔



(57) جامع البيان، للطبري (127/1).

اللہ تعالیٰ کے فرمان (مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ) کا معنی و مفہوم

(مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ) : اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی ملکیت رکھتا ہے اور اس معاملہ میں وہ منفرد ہے، کوئی بھی مخلوق اس میں شریک نہیں، (الدین) سے مراد حساب و کتاب اور اجر و ثواب ہے (58)۔ اللہ پاک تن تنہا قیامت کے دن کا مالک ہے، جو کہ اعمال کے جزا و سزا کا دن ہے (59)۔

قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کو خاص کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سوا دیگر ایام کا مالک نہیں ہے، کیوں کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں کا پالنہار ہے، جو کہ دنیا و آخرت دونوں جہان کے لیے عام ہے۔ قیامت کے دن کی طرف اس ملکیت کی اضافت اس

(58) جامع البیان، للطبری (1/152)۔

(59) التفسیر المیسر (1)۔

لیے کی گئی ہے کیوں کہ اس دن کوئی کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرے گا اور نہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی زبان کھول سکے گا (60)۔ چنانچہ قیامت کے دن کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ، جب کہ اللہ تعالیٰ تمام دنوں کا مالک ہے، یہ ہے کہ اس دن ہر قسم کی ملکیت زائل ہو جائے گی، اور اللہ کے علاوہ نہ کسی کی ملکیت ہوگی اور نہ حکم چلے گا، فرمان باری تعالیٰ ہے: (الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ) [الفرقان: ۲۶]

ترجمہ: اس دن صحیح طور پر ملک صرف رحمن کا ہی ہوگا (61)۔

اس دن مخلوق کے سامنے اللہ کی ملکیت کا کمال اور اس کے عدل و حکمت کا جلال پورے طور پر ظاہر ہوگا اور مخلوق کی تمام تر ملکیت کا زوال نمایاں ہوگا، یہاں تک کہ اس دن شاہ و گدا، حاکم و محکوم اور غلام و آزاد سب

(60) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (134/1)۔

(61) معالم التنزیل، للبعثی (10)۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے، سب کے سب رب کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہوں گے، اس کے اجر و ثواب کی امید لیے کھڑے ہوں گے اور اس کی سزا سے خائف و ہراساں ہوں گے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس دن کا ذکر کیا گیا ہے، ورنہ وہ تو قیامت کے دن کے ساتھ دیگر تمام ایام کا مالک ہے (62)۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ دونوں جہان کا پالنہار اور رحمن و رحیم (مہربان) ہے، اس لئے اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے جہان میں اپنے بندوں پر مہربان ہے اور کائنات میں اور حالات و اطوار پر اللہ کے جو تصرفات ظاہر ہوتے ہیں، ان پر غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ وہ سارے تصرفات رحمت پر مبنی

(62) تیسیر الکریم الرحمن، للسعدی (27)۔

ہوتے ہیں، ان تصرفات میں امر و نہی (حکم دینے اور منع کرنے کے تصرفات) بھی ہیں جنہیں شریعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
اس مقام کا تقاضہ تھا کہ جزا کے دن وہ (شارع) فیصل و حاکم کے طور پر نمودار ہو، کیوں کہ کام پر جزا و سزا کے مرتب ہونے سے فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے (63)۔

یہ آیتیں ان اوصاف پر مشتمل ہیں جن سے اللہ پاک متصف ہے، جیسے یہ کہ اللہ تعالیٰ سارے جہان کا پالنہار ہے، مخلوق کو جو دبخشنے والا، ان پر انعام و اکرام کرنے والا ہے اور جزا و سزا کے دن سارے معاملات اسی کی ملکیت میں ہوں گے (64)، جہاں کسی کو کسی چیز کی ملکیت حاصل نہ ہوگی، چنانچہ جو شخص مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے اللہ کو

(63) التحریر والتنویر، لابن عاشور (1/173)۔

(64) فتح البیان، للقنوجی (47)۔

پکارے، پھر اسی مقصد کے لیے کسی مخلوق کو بھی پکارے، تاکہ یہ مخلوق اسے خیر و بھلائی عطا کرے اور شر و فساد سے بچالے، جبکہ وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ گردانتا ہو، اللہ کی ربوبیت کا اقرار بھی کرتا ہو، تو ایسا شخص (اپنے عمل سے) یہ اقرار نہیں کرتا کہ (اللہ تعالیٰ) تمام جہانوں کا پالنہار ہے، بلکہ (اس کے اس عمل سے) اللہ کی بعض ربوبیت کا انکار کرتا ہے، جو شخص اس آیت کی تفسیر سے واقف ہو اور یہ جان لے کہ (کس وجہ سے) ملکیت کو اس دن کے ساتھ خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے، جب کہ اللہ پاک اس دن اور اس کے علاوہ تمام دنوں میں ہر ایک چیز کا مالک ہے، تو وہ یہ جان لے گا کہ خصوصیت کے ساتھ اس عظیم مسئلہ کا ذکر کرنا (اتنا اہم ہے کہ) اسے جاننے کی وجہ سے کچھ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جبکہ کچھ لوگ اس سے ناآشنائی کی وجہ سے جہنم واصل ہوں گے۔

تفسیر الفاتحہ

یہ معنی و مفہوم دیکھیے اور قرآن کی وضاحت و صراحت پر غور کیجئے اور سر ڈھنیے کہ قصیدۃ البردۃ کا شاعر (اپنے اشعار میں) ان معانی و مفاہیم سے کس قدر دور بھٹکا ہوا ہے؟ کیا کسی بندہ کے دل میں ان اشعار کی تصدیق اور اللہ کے اس فرمان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث کی تصدیق ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہے: (يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ

لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ) [الإنفطار: 19]

ترجمہ: (وہ ہے) جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لئے کسی چیز کا مختار نہ ہوگا اور (تمام تر) احکام اس روز اللہ کے ہی ہوں گے۔

"اے فاطمہ بنت محمد! میں اللہ کی طرف سے کسی چیز کو تم سے دور نہیں کر سکوں گا"

اللہ کی قسم، یہ دونوں تصدیق ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، یہ تو ایسے ہی ہو گا کہ اس کے دل میں موسیٰ بھی سچے ہوں اور فرعون بھی سچا ہو، محمد بھی سچے اور برحق ہوں اور ابو جہل بھی سچا اور برحق ہو (65)۔



(65) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (44)۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) کا معنی و مفہوم

(إِيَّاكَ نَعْبُدُ) کے معنی یہ ہیں کہ: ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، فعل پر مفعول کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ حصر کا معنی دے، اور (نَعْبُدُ) کے معنی یہ ہیں کہ: ہم تیرے سامنے نہایت عاجزی و انکساری اختیار کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مومن اپنے جسم کے سب سے اشرف و افضل عضو کو قدم کی جگہ (روئے زمین) پر رکھتے ہیں، تاکہ اللہ عزیز و برتر کے سامنے عاجزی کا اظہار کر سکیں، چنانچہ اس کی پیشانی مٹی سے بھر جاتی ہے، اس سب کا مقصد صرف اللہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنا ہوتا ہے، (العبد) سے مراد وہ بندہ ہے جو شرعی مقصود و مراد میں معبود کے مطابق چلے، بنا بریں (عبادت) کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان تمام ادا امر پر عمل پیرا ہو

اور ہر قسم کی منہیات سے دامن کش رہے، اور اس عمل کو اللہ کی مدد کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا (66)۔

معلوم ہوا کہ (إِيَّاكَ نَعْبُدُ) کے معنی یہ ہیں: صرف تیرے ہی سامنے ہم نہایت درجے کی عاجزی اور خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں، تجھ سے محبت رکھتے، تیری ہی تعظیم بجالاتے اور تجھ سے ہی خوف کھاتے ہیں (67)۔ یعنی: تجھے ایک مانتے اور تیری وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے: آپ اپنے پروردگار سے یہ عہد و پیمانہ کرتے ہیں کہ آپ

(66) تفسیر القرآن الکریم (الفاتحہ)، لابن عثیمین (13/1)۔

(67) اللباب فی تفسیر الاستعاذۃ بالبسملة و فاتحۃ الكتاب، د. سلیمان بن ابراہیم اللاحم (253)۔

اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، نہ کسی قریبی فرشتہ کو، نہ کسی نبی مرسل کو اور نہ ان کے علاوہ کسی اور کو (68)۔

فرمان الہی: (وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) کے معنی ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے ہی اس بات پر مدد طلب کرتے ہیں کہ ہم تیری عبادت کریں اور تمام تر معاملات میں تیری ہی اطاعت کریں، تیرے سوا کسی اور کی پیروی نہ کریں، جب تیرے ساتھ کفر کرنے والا اپنے معاملات میں اپنے اس صنم اور بت سے مدد طلب کرتا ہے جسے وہ تجھ سے روگردانی کرتے ہوئے پوج رہا ہوتا ہے، تو ہم (اس کے بالمقابل) اپنے تمام معاملات میں تجھ سے مدد طلب کرتے اور تیرے ہی لیے ہر قسم کی عبادت کو خالص رکھتے ہیں (69)۔

(68) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (50)۔

(69) جامع البيان، للطبري (160/1)۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ: **(إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ)** کا مطلب یہ ہے کہ: اے ہمارے پروردگار! ہر قسم کی عبادت اور مدد طلبی کو ہم تیرے ہی لئے خاص کرتے ہیں، چنانچہ تیرے سوانہ کسی کی عبادت کرتے ہیں اور نہ کسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ دراصل بندے کا اپنے رب کی بندگی پر قائم رہنا اور اس بندگی کو بجالانے میں اپنے پروردگار سے مدد کی دعا کرنا ہے (70)۔ مفعول کو مقدم کرنے اور تکرار کے ساتھ اسے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ: اس کی اہمیت ظاہر ہو اور حصر کا معنی ادا ہو۔ یعنی: ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ پر ہی توکل کرتے ہیں، اور یہی کمال اطاعت ہے، جس کی طرف مذکورہ دونوں معانی لوٹتے ہیں، پہلے جملہ میں شرک سے براءت کا اظہار ہے، اور دوسرے جملہ میں ہر قسم کی طاقت و قوت سے براءت کا اظہار اور تمام

(70) تیسیر الکریم الرحمن، للسعدی (27)۔

تر معاملات کو اللہ عزوجل کے سپرد کرنے کا مظہر ہے، اس معنی کو قرآن کی مختلف آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: (فَاعْبُدْهُ

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ) [هُود: ۱۲۳]

ترجمہ: مجھے اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔

(قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا) [الْمُلْك: ۲۹] (71)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ وہی رحمن ہے ہم تو اس پر ایمان لائے، اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔

(71) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (134/1).

(إِيَّاكَ نَعْبُدُ) کے بعد (وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) کو ذکر کرنے میں یہ معنی مضمحل ہے کہ: توکل اور بھروسہ اسی پر کرنا چاہئے جو عبادت کا مستحق ہے، کیوں کہ تمام تر اختیارات و معاملات صرف اسی کے ہاتھ میں ہیں (72)۔



(72) أضواء البيان، للشنقيطي (50/1).

اللہ کے فرمان: (**أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**) کا معنی و مفہوم

"الصراط" کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان تمام اقوال کا نچوڑ ایک ہی ہے، اور وہ ہے اللہ و رسول کی پیروی، ایک قول ہے کہ: اس سے مراد قرآن ہے، دوسرا قول ہے: اسلام، تیسرا قول ہے: حق، یہ تمام اقوال درست ہیں اور ایک معنی سے دوسرا معنی لازم آتا ہے (73)۔ اللہ کے فرمان: (**أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**) کا مطلب ہے: ہماری رہنمائی فرما اور راہ دکھا، اور ہمیں راہ مستقیم کی توفیق عطا فرما۔ اس میں صراط مستقیم کی ہدایت بھی شامل ہے۔ جس سے مراد: دین اسلام کو لازم پکڑنے اور اس کے ماسوا تمام ادیان سے دامن کش رہنے کی توفیق ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ: راہ مستقیم پر چلتے

(73) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (137/1)۔

ہوئے علم و عمل ہر دو اعتبار سے ہدایت کی توفیق دے (74)۔ یعنی: ہمیں اس قول و عمل پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دے جسے تو نے پسند کیا اور جس کی تو نے اپنے انعام یافتہ بندوں کو توفیق دی، یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اللہ نے اسے استقامت سے اس لئے متصف کیا ہے کہ وہ درست راستہ ہے، اس میں کوئی کجی اور کمی نہیں (75)۔ اس طور پر (**أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**) کے معنی یہ ہوں گے: ہمارے لئے اس راہ کو واضح کر دے اور ہمیں صراطِ مستقیم کی راہنمائی فرما، ہمیں توفیق، ہدایت و راستی اور ثابت قدمی عطا فرما (76)۔ جب اللہ پاک و برتر جس سے دعا و سوال کیا جا

(74) تیسیر الکریم الرحمن، للسعدی (27)۔

(75) جامع بیان، للطبری (1/171، 176)۔

(76) اللباب فی تفسیر الاستعاذۃ والبسملة و فاتحۃ الكتاب، د. سلیمان بن ابراہیم اللاحم (271)۔

رہا ہے، کی حمد و ثنا ہو چکی، تو مناسب تھا کہ اس کے بعد سوال اور دعا کا ذکر ہو (77)۔ لہذا اس واضح اور صریح دعا کو ذکر کیا گیا جو کہ اللہ کی جانب سے بندہ کو ملنے والی نوازش اور نصیبہ ہے، یعنی خشوع و انابت اور الحاح و زاری کے ساتھ یہ دعا کرنا کہ اسے یہ عظیم نعمت عطا کرے، جس سے افضل نوازش دنیا و آخرت میں کسی کو نہیں دی گئی (78)۔ یہ ایک نہایت جامع اور بے حد مفید دعا ہے، اس لیے انسان پر واجب کیا گیا ہے کہ ہر رکعت میں یہ دعا کرے، کیوں کہ اسے اس کی سخت ضرورت ہے (79)۔

(77) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (1/136)۔

(78) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (51)۔

(79) تیسیر الکریم الرحمن، للسعدی (27)۔

مومن ہدایت پر قائم ہونے کے باوجود یہ دعا اس لیے کرتے ہیں تاکہ: ان کو ثابت قدمی عطا ہو۔ یعنی وہ مزید ہدایت کی دعا کرتے ہیں (80)۔

اس میں یہ وضاحت بھی ہے کہ بندہ کو سعادت اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہے اور وہ اس راہ پر اسی وقت ثابت قدم رہ سکتا ہے جب اس کا پرودگار اسے اس کی ہدایت عطا کرے، اسی طرح وہ اسی وقت اللہ کی عبادت کر سکتا ہے جب اللہ کی مدد اس کے شامل حال رہے (81)۔

(80) معالم التنزیل، للبغوي (10).

(81) الفوائد، لا بن القيم (19).

اللہ کے فرمان: (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) کا معنی و مفہوم

یہ آیت صراط مستقیم کا معنی واضح کرتی ہے کہ اس سے مراد کونسا راستہ ہے؟ یہ صراط مستقیم کی تفسیر ہے (82)۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے (صحیح معنی کی) تاکید اور وضاحت و صراحت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ صراط مستقیم کی تفسیر ہے اور (اس میں) یہ وضاحت ہے کہ اس سے مراد ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر انعام کیا گیا (83)۔ چنانچہ (الصراط المستقیم) کے بدل کے طور پر (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) کا ذکر ایک

(82) جامع البيان، للطبري (176/1)۔

(83) اللباب في تفسير الاستعاذة والبسملة و فاتحة الكتاب، د. سليمان بن إبراهيم اللاحم (280)۔

انوکھے معنی پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: ہدایت ایک نعمت ہے اور جن پر کامل نعمت کی گئی وہ صراطِ مستقیم کے راہرو ہیں (84)۔

اللہ کے فرمان: (أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) کے معنی یہ ہیں کہ: تو نے ان پر ہدایت اور توفیق کے ذریعہ احسان کیا (85)۔ یعنی: ہمیں اپنے ان بندوں کی راہ پر

چلا جن پر تو نے اپنی ہدایت کا انعام کیا، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں (86)۔ (الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) سے مراد وہ

لوگ ہیں جن کا ذکر سورۃ نساء کی اس آیت میں ہوا ہے: (وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ

وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ

(84) التحرير والتنوير، لابن عاشور (194/1).

(85) معالم التنزيل، للبخاري (10).

(86) المختصر في تفسير القرآن الكريم (1).

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُوْلٰئِكَ
رَفِيْقًا (النِّسَاء: ۶۹) (87).

ترجمہ: اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔



(87) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (140/1).

اللہ تعالیٰ کے فرمان: (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) کا معنی و مفہوم

جمہور (غَيْرِ) کو کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس معنی میں کہ وہ (ما قبل کی) صفت ہے (88)۔ اس طرح (غیر) اسم موصول (الذی) کی صفت واقع ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ نعمت مطلقہ یعنی ایمان اور غضب و گمراہی سے سلامتی سے یکساں طور پر متصف تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ: (غیر) اس موصول کا بدل ہے، جس کے معنی یہ ہوں گے کہ انعام یافتہ لوگ وہ ہیں جو غضب اور گمراہی سے محفوظ ہیں۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی: غیر صراط المغضوب علیہم (89)۔ اس کا معنی یہ ہوگا: ہمیں

(88) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (140/1)۔

(89) اللباب فی تفسیر الاستعاذۃ بالبسملة و فاتحۃ الكتاب، د. سلیمان بن ابراہیم اللاحم (286)۔

صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما، جو کہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تونے انعام کیا اور جن کی صفت گزر چکی ہے۔ نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا غضب نازل ہو یعنی وہ لوگ جن کے ارادے میں بگاڑ پیدا ہو گیا، چنانچہ حق شناسی کے بعد بھی وہ اس سے منحرف رہے، اور نہ ان لوگوں کے راستے پر چلا جو گمراہ ہو گئے۔ یعنی وہ لوگ جو علم سے نابلد رہے، انجام کار گمراہی (کی تاریکی) میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں اور حق کی ہدایت سے محروم ہیں (90)۔ یعنی ان لوگوں کے راستے پر نہ چلا جن پر تیرا غضب نازل ہو اور نہ ان لوگوں کی راہ پر چلا جو ہدایت سے گمراہ ہیں (91)۔

(90) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (140/1)۔

(91) معالم التنزیل، للبعثی (11)۔

(عَبْرًا) میں ایک قراءت نصب کے ساتھ ہے، راء پر نصب کی دو قسمیں ہیں: حال کے طور پر، جس کے معنی یہ ہیں: انعام یافتہ لوگوں کا راستہ، اس حال میں کہ نہ ان پر غضب نازل ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ یا دوسری قسم: استثناء کے طور پر: گویا آپ نے یہ کہا ہو کہ: سوائے ان کے جن پر تیرا غضب نازل ہوا (92)۔ اس کی تفسیر اور قراءت کے تعلق سے

ہمارے نزدیک درست رائے یہ ہے کہ (عَبْرًا الْمَعْصُوبِ

عَلَيْهِمْ) میں (عَبْرًا) کو راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے، اس اعتبار سے

کہ وہ (الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) کی صفت ہے۔ جب ہم (عَبْرًا الْمَعْصُوبِ

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) کو (الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) کی صفت مانتے ہیں تو اس

کے معنی یہ ہوں گے کہ: اللہ نے چونکہ ان کی یہ صفات بتائی ہے کہ وہ

(92) المحرر الوجيز، لابن عطية (46)، وتفسير الفاتحة، لابن رجب (139).

اللہ کی توفیق و ہدایت سے بہرہ ور اور اس کے دینی انعامات سے سرفراز ہیں، اس لیے ان پر نہ تو اللہ کا غضب نازل ہوگا اور نہ وہ گمراہ ہونے والے ہیں (93)۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: **(غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ)** سے مراد: یہودی اور ہر وہ شخص ہے جو حق کو جاننے کے بعد اس پر عمل نہ کرے۔ اور اللہ کے فرمان: **(وَلَا الضَّالِّينَ)** سے مراد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے نصاریٰ اور ہر وہ شخص ہے جو حق کو جانے بغیر باطل پر عمل کرنے لگے (94)۔ چنانچہ وہ لوگ جن پر غضب نازل ہوا: ایسے علماء ہیں جنہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔ اور گمراہ ہونے لوگ وہ ہیں: جو

(93) جامع البيان، للطبري (1/182، 185).

(94) تفسیر القرآن الکریم (الفاتحة - البقرة)، لابن عثيمين (1/17).

بغیر علم کے عمل کرتے ہیں، پہلی صفت یہودیوں کی اور دوسری صفت نصرانیوں کی ہے۔

بہت سے لوگ جب تفسیر میں یہ پڑھتے ہیں کہ یہودیوں پر غضب نازل ہو اور نصاریٰ گمراہ ہوئے، تو یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ یہ صفتیں صرف ان کے لیے ہی خاص ہیں، جبکہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کے پروردگار نے ان پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ یہ دعا کریں اور ان صفات کے حاملین کی راہ پر چلنے سے پناہ مانگیں، سبحان اللہ! (تعجب کی بات ہے کہ) کیسے اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تعلیم دے، ان کے لیے اس دعا کو منتخب کرے، ان پر ہمیشہ یہ دعا مانگنا فرض قرار دے، اور وہ اس گمان میں مبتلا رہیں کہ انہیں ان صفات سے متنبہ رہنے کی ضرورت نہیں، اور نہ وہ یہ

تصور کریں کہ وہ بھی اس گناہ کا مرتکب ہو سکتے ہیں، یہ اللہ کے تئیں بد گمانی رکھنا ہے (95)۔

لہذا اس کے معنی یہ ہیں کہ: ہمیں انعام یافتہ بندوں کی راہ پر چلنے کی توفیق دے جیسے نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگوں کی راہ۔ یہ حضرات ہدایت اور استقامت سے بہرہ ور تھے، ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ کر جو ان لوگوں کی راہ پر چل پڑے جن پر غضب نازل ہوا، یعنی جنہوں نے حق جاننے کے بعد بھی اس پر عمل نہیں کیا، اور وہ یہود اور ان کے نقش پا کی پیروی کرنے والے لوگ ہیں، نیز ہمیں گمراہ لوگوں میں بھی شامل نہ کر، یعنی جو اپنی جہالت کی وجہ سے ہدایت سے محروم رہے، چنانچہ راہ حق سے بھٹک گئے، اور وہ نصاریٰ اور ان کے طریقے پر چلنے والے لوگ

(95) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (54)۔

ہیں (96)۔ کلام کی تاکید کے طور پر (وَلَا الضَّالِّينَ) میں (لا) کا استعمال کیا، تاکہ یہ تاکید اسلوب دو فاسد راہوں پر دلالت کر سکے، جو کہ یہود و نصاریٰ کے راستے ہیں (97)۔ اس میں یہ وضاحت بھی شامل ہے کہ صراط مستقیم سے انحراف کے دو کنارے کیا ہیں، انحراف کا ایک چھوڑ گمراہی کی طرف اور اس کا دوسرا چھوڑ غضب کی طرف لے جاتا ہے (98)۔

اس آیت میں مخلوق کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں: جن پر انعام کیا گیا، جن پر غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔ ہر شخص یا تو اللہ تعالیٰ کے مشروع کردہ حق سے واقف اور اس کا پیروکار ہوگا، یا اس سے واقف

(96) التفسیر المیسر (1)۔

(97) تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر (140/1)۔

(98) الفوائد، لا بن القیم (19)۔

ہوگا لیکن اس کا پیروکار نہ ہوگا، یا اس سے نہ واقف ہوگا اور نہ اس کا پیروکار ہوگا، چنانچہ پہلی قسم سے مراد وہ لوگ ہیں: جن پر انعام کیا گیا، دوسری قسم سے مراد وہ ہیں: جن پر غضب نازل ہوا، اور تیسری قسم سے مراد: گمراہ لوگ ہیں (99)۔

صراط مستقیم سے مراد: حق سے واقف ہونا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ جنہوں نے حق کو جانا اور اس پر عمل کیا وہ وہی لوگ ہیں جن پر انعام نازل ہوا، جیسے نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ۔

دوسری قسم: جنہوں نے حق کو جانا لیکن اس سے روگردانی اور سرکشی کی، اس پر عمل نہیں کیا، بلکہ کبر و غرور کا مظاہرہ کیا، یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر غضب نازل ہوا، خصوصیت کے ساتھ سب سے زیادہ اس کے مستحق یہود ہیں۔

تیسری قسم: جو حق سے نابلد رہے اور بغیر علم کے عمل کرتے رہے، یہی لوگ گمراہ ہونے والے ہیں، تمام فرقوں میں خصوصیت کے ساتھ سب سے زیادہ اس کے مستحق نصاریٰ ہیں (100)۔

(آمین) سورۃ الفاتحہ کا حصہ نہیں ہے، بلکہ دعا کی قبولیت کے لیے آیا ہے، اس کے معنی ہیں: "اے اللہ! قبول فرما"، جاہلوں کو اس کی تعلیم دینا واجب ہے تاکہ وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ (آمین) بھی اللہ عزیز و برتر کا کلام ہے (101)۔



(100) تفسیر القرآن، عبدالرحمن بن ناصر البراء.

(101) تفسیر الفاتحہ، محمد بن عبدالوہاب (55)؛ والجامع لأحكام القرآن، للقرطبي (197/1).